الخشوع

(خشوع کی حقیقت اور حصول کا طریقہ)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تعلیم دین	۵
۲	آداب سوال	۷
۳	صحابہؓ کو کثرتِ سوال سے ممانعت کی وجہ	۷
۴	جاہلانہ سوال	۸
۵	ترقی اور اسلام	۹
۶	ترقی کے بارے میں حضور ﷺ کا فیصلہ	۱۰
۷	مدعیان ترقی کا استدلال	۱۱
۸	صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال	۱۲
۹	احکام اسلام کے بارے میں مدعیان ترقی کا طرز عمل	۱۴
۱۰	بے ہودہ رائے اور اُس کا جواب	۱۵
۱۱	عبادت کی صورت	۱۵
۱۲	حقیقت وروحِ عبادت	۱۶
۱۳	علم وعمل کی ضرورت	۱۷
۱۴	عملی کوتاہی	۱۸
۱۵	خشوع کی اہمیت	۱۹

۱۶	خشوع اختیار نہ کرنے کی وجہ	۲۱
۱۷	مدارس میں کتب تصوف پڑھانے کی ضرورت	۲۱
۱۸	علم باطنی کے حصول کا طریقہ	۲۲
۱۹	واعظوں کی خرابیاں	۲۳
۲۰	احمق بخیل کی حکایت	۲۴
۲۱	خشوع کے غلط معنی	۲۴
۲۲	امام مالک کا ادبِ حدیث	۲۶
۲۳	خشوع کی حقیقت	۲۷
۲۴	غیر اختیاری وساوس کی حقیقت وعلاج	۲۸
۲۵	حضور قلب کا طریقہ	۳۰
۲۶	تخیل کا کمال	۳۱
۲۷	طالب کا حال	۳۲
۲۸	حقیقت احسان	۳۴
۲۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی خوبی	۳۵
۳۰	حدیث کے معنی کی تحقیق	۳۶
۳۱	اہتمام خشوع کا طریق	۳۷
۳۲	اقسام خشوع	۳۸
۳۳	خشوع کے درجات	۴۰
۳۴	فارغین کے لئے درجہ خشوع	۴۲
۳۵	مشغولین کے لئے درجہ خشوع	۴۳

الخشوع

(خشوع کی حقیقت اور حصول کا طریقہ)

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے خشوع وخضوع کے متعلق یہ وعظ جامع مسجد کانپور میں بروز جمعہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ کو بیان فرمایا۔

جو ۲ گھنٹے ۲۰ منٹ میں ختم ہوا۔ جس میں نماز میں خشوع کے اہتمام نہ کرنے کی شکایت کی، پھر خشوع کی حقیقت اس کی فرضیت اور اس کے حصول کے طریقہ کو بیان کرنے کے بعد درجات خشوع کو بھی بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ تمام مستفیدین کو عبادت میں خشوع کا اہتمام کرنے کی توفیق دے، آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۲۳/ رجب ۱۴۳۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿الاحسان ان تعبداللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک﴾(۱)

ارشاد فرمایا: جناب رسول اللہ ﷺ نے، تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے پس تحقیق وہ تم کو دیکھتا ہے۔

تعلیمِ دین

یہ ایک حدیث شریف کا ٹکڑا ہے اور جواب ہے ایک سوال کا، جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوکر کیا تھا، جس کا پورا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کے نزدیک موجود تھے۔ ناگاہ ہم پر ایک ایسا شخص ظاہر ہوا جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت کالے تھے۔ اس پر سفر کا نشان تو معلوم نہیں ہوتا تھا اور ہم میں سے کوئی اس کو پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مل کر باادب بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا یارسول اللہ ﷺ! اسلام کس کو کہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے اعمالِ اسلامیہ

(۱) صحیح بخاری۔ رقم الحدیث: ۵۰

کو ذکر فرمایا کہ: خدا کے سوا کسی کو معبود نہ جاننا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کی تصدیق کرنا، نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان شریف کے روزے رکھنا اور استطاعت ہونے پر بیت اللہ کا حج ادا کرنا۔ یہ سن کر اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔

پھر اس شخص نے سوال کیا کہ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اسلامیہ کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرنا اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لانا۔

اس شخص نے اس کو بھی سن کر کہا کہ آپ سچ ارشاد فرماتے ہیں۔

پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ احسان کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ(ان تعبداللّٰہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك) یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح سے عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر نہیں دیکھتے ہو تم اس کو، پس تحقیق وہ تم کو دیکھتا ہے۔ اس سوال کے علاوہ اس شخص نے اور سوال بھی کئے تھے جو پوری حدیث میں مذکور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے جواب بخوبی ارشاد فرمائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے چلے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! تم جانتے بھی ہو یہ سوال کرنے والے کون تھے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ(اللّٰہ ورسوله اعلم)(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:(فانه جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم) یعنی یہ سوال کرنے والے

(۱) اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتے ہیں۔

جبریل علیہ السلام تھے۔ تمہارے پاس اس لئے آئے تھے کہ تم کو تمہارا دین سکھلا دیں۔

آداب سوال

وجہ اس آنے کی یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کو زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا تھا لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ امور دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو پیش آئیں، واقع ہوں۔ ان کا تو پوچھنا ضروری ہے۔ اس سے ممانعت نہ تھی دوسری یہ کہ محض فرضی صورتیں نکال نکال کر احتیاطاً پوچھ رکھنا اگرچہ ابھی واقع نہ ہوئیں ہوں۔ جیسے اب بھی ایک تو عام لوگ ہیں۔ ان کو تو یہ چاہیئے کہ جب کوئی امر پیش آوے اس وقت دریافت کرلیں۔ یا ایسا کوئی امر جس کا واقع ہونا غالب ہو وہ دریافت کرلیں یہ نہیں کہ فرضی بعید الوقوع (۱) صورتیں دریافت کر کر کے پریشان کریں۔ البتہ طلباء جن کا کام ہے مسائل کی تحقیق کرنا وہ اگر دریافت کریں تو مضائقہ نہیں اور بعض لوگوں کو جو یہ عادت ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ مولویوں کو دق کرنے کے لئے ایسی ایسی باتیں پوچھا کرتے ہیں کہ جن کی کوئی صورت نہیں یہ سب بیکار و فضول ہے صحابہ کو جو سوال سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا تھا اس کی کئی وجوہات ہیں۔

صحابہ کو کثرتِ سوال سے ممانعت کی وجہ

اوّل تو یہ کہ ایسی فرضی باتیں دریافت کرنا خلافِ ادب تھا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری بات خود ہی بیان فرمادیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (انما بعثت معلما) (۲) ”میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں“ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی ہی تھا اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی شفقت رکھتے تھے۔

(۱) ایسی صورتیں فرض کر کے جن کا واقع ہونا ممکن نہ ہو سوال کرنا (۲) سنن ابن ماجہ۔ رقم الحدیث: ۲۲۵۔

ضرورتوں کو سمجھتے تھے۔آپ ﷺ بغیر پوچھے بتلادیا کرتے تھے ایسی حالت میں سوالات کرتے رہنے کی ضرورت ہی کیا تھی، جس طرح اگر کوئی طبیب حاذق شفیق ہو۔اس نے نبض دیکھ لی، ضروری امور دریافت کر کے تشخیص کرلی، نسخہ لکھ دیا۔ پرہیز بتلادیا سارے ضروری امور سے خود ہی غایت شفقت کے باعث آگاہ کردیا تو پھر ایسے شخص سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ گئی۔

تیسرے یہ بھی مصلحت ہوسکتی ہے کہ بعض منافقین گھڑ گھڑ کر صورتیں پوچھا کرتے تھے غرض اس سے محض دق کرنا ہوتا تھا(۱)۔اس لئے مسلمانوں کو بھی منع کردیا تاکہ منافقین کو آڑ نہ ملے۔

جاہلانہ سوال

چنانچہ خود مجھ سے ایک شخص نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ دو شخص چلے جاتے تھے اوران کے ہمراہ ایک عورت تھی۔ایک شخص اس کا خاوند تھا، دوسرا اس کا بھائی، اتفاق سے چوروں نے دونوں کو قتل کرڈالا، سرتن سے جدا ہوگئے وہ رونے لگی۔اتفاق سے ایک درویش کامل کا ادھر سے گزر ہوا۔واقعہ دریافت کرنے کے بعد اس عورت سے کہا کہ تو دونوں کے سر دھڑ سے لگادے۔اس نے خاوند کے دھڑ کے ساتھ بھائی کا سر اور خاوند کا سر بھائی کے دھڑ سے لگادیا۔انہوں نے دعا کی۔ دونوں زندہ ہوگئے۔تو بتلاؤ کہ وہ عورت کس کو ملے گی۔ میں نے اس سے کہہ دیا کہ جناب مجھے نہیں معلوم، ایسی باتوں کے پوچھنے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ جب یہ جواب نہ دے سکیں گے تو ہم کہیں گے کہ ہم نے ایسی بات پوچھی کہ اس کا جواب

(۱) پریشان کرنا۔

عالم سے بھی نہیں آیا۔ہم ایسے بڑے ہیں ایسے ذہین اور بس۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بعض باتیں آسان ہوتی ہیں اور پوچھنے کی بدولت سخت ہوجاتی ہیں چنانچہ جب حج فرض ہوا تو ایک صحابی نے عرض کیا (افی کل عام یا رسول اللّٰہ) آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا اگر میں (نعم) کہہ دیتا، تو ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا اور تم لوگوں سے نہ ہوسکتا، مصیبت میں پڑ جاتے اور آپ نے ارشاد فرمایا: ذرونی ماترکتکم یعنی مجھ کو چھوڑے رکھو جو مناسب سمجھوں گا اس سے تم کو آگاہ کردیا کروں گا۔تم کھود کھود کر نہ پوچھا کرو۔ یہ وہ مصلحتیں تھیں۔ جو ممانعتِ سوال کی باعث تھیں اور اس وقت میرے خیال میں آئیں ممکن ہے کہ اور بھی مصلحتیں ہوں۔بہرحال! ممانعتِ سوال کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم دریافت کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔بعض امور ان کے خیال میں آتے ہوں گے لیکن اس میں تردد ہوجاتا ہوگا کہ نامعلوم یہ باتیں ضروری ہیں یا نہیں ان کا پوچھنا بے ادبی تو نہیں ہے اس لئے ڈر کے مارے نہ پوچھ سکتے تھے یہ بھی ایک مرتبہ ہے جو حاصل کرنے کے قابل ہے کہ جو دل میں کھٹکے اسے ترک کردیا جاوے۔جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (دع ما یریبك الی مالا یریبك)(۱) یعنی جس چیز سے تمہیں کھٹکا ہو اسے چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جس سے کھٹکا نہ ہو۔پس خدائے تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس لئے بھیجا تھا کہ وہ پوچھیں گے تو صحابہ کو بہت سی دین کی باتیں معلوم ہوجائیں گی۔

ترقی اور اسلام

اب یہ سمجھئے کہ میں نے اس وقت اس لئے احسان کے بیان کو اختیار کیا ہے کہ اس کی بڑی ضرورت ہے لوگ اس سے بالکل غافل ہورہے ہیں احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں یہ عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں اچھا

(۱) صحیح البخاری: باب تفسیر المشبہات۔

کرنا اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔

اب دیکھئے! اول تو لوگ عبادت ہی سے بھاگتے ہیں۔ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے دنیاوی کاموں میں دن رات لگے رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں کے لئے مشقت اٹھاتے ہیں۔ خصوصاً اگر تھوڑی سی بھی دنیاوی امید ہوتی ہے تو بڑی بڑی محنتیں کرتے ہیں اور مشقتیں اٹھانے میں دریغ نہیں کرتے لیکن عبادت میں کوتاہی کرتے ہیں اور دنیا طلبی میں سرگرم ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے (۱) کہ اس کی (یعنی دنیا طلبی کی) اور ترغیب دی جاتی ہے کہ جلسے ہوتے ہیں، کمیٹیاں قائم ہوتی ہیں اور کوشش ہے کہ خوب مال ودولت کی حرص بڑھ جاوے ہوا وہوس میں ترقی ہو۔ دن رات ترقی ترقی کی پکار ہورہی ہے۔ ہوا وہوس (۲) کا نام بدل کر ترقی رکھ دیا ہے۔ آخر اس سے مطلب کیا ہے؟ یہی نا کہ مال خوب حاصل کیا جاوے۔ مکان بھی نہایت عالی شان ہو۔ کپڑے بھی نہایت قیمتی ہوں۔ اسباب بھی بیش بہا ہوں۔ غرض کہ دنیاوی عیش وسامان جمع کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جاوے، چاہے دین رہے یا جائے۔

ترقی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

لیکن یہ بھی معلوم رہے کہ ترقی کا مسئلہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوچکا ہے آپ اس کا فیصلہ بھی فرما چکے ہیں جس کا نہایت معتبر اور سچا واقعہ اس طرح پر ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ بالا خانے پر تشریف رکھتے تھے۔ وہاں صرف ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی آپ اس پر لیٹے ہوئے تھے۔ جسم شریف پر چٹائی کے نشان بن گئے تھے اور سرہانے کی جانب کچھ کچے چمڑے لٹک رہے تھے۔ پائنتی کی جانب کچھ ببول کی

(۱) مزید یہ کہ (۲) نفسانی خواہشات کا نام۔

پیتاں پڑی ہوئی تھیں تا کہ ان چمڑوں کو ان سے دباغت دے لیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے اور عرض کرنے لگے کہ یا حضرت قیصر اور کسریٰ وغیرہ جو شرک وکفر میں مبتلا ہیں خدا کی عبادت نہیں کرتے وہ تو چین وآرام سے گزاریں اور آپ اس تنگی کی حالت میں بسر کریں آپ دعا فرمائیے کہ خدا تعالیٰ آپ کی امت کو وسعت عنایت کریں۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ادب تھا کہ امت کی وسعت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا (افی شك انت یا ابن الخطاب) کیا اے عمر بن خطاب تم اب تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو (اولئك عجلت لھم طیباتھم فی الحیٰوۃ الدنیا)[۱] ان کو لذیذ چیزیں دنیا میں جلدی سے مل گئیں، مطلب یہ ہے کہ تمام آرام وآسائش کفار کو دنیا ہی میں مل گیا ہے آخرت میں وہ محروم رہیں گے اور ہم لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے آخرت میں ذخیرہ کر رکھا ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے افلاس اور تنگدستی کی شکایت کی تھی اور چاہا تھا کہ دعا کر دی جائے اور فراغت اور وسعت ہوجائے مال و دولت بافراط مل جائے خوب ہی آسائش اور آرام سے گزرنے لگے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ ترقی کی درخواست کی تھی اور چاہا تھا کہ جیسے کفار کو مال و دولت میں ترقی حاصل ہے اسی طرح مسلمان بھی ترقی کریں آپ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ ان کو یہاں مل گیا ہے ہم کو قیامت میں ملے گا۔

مدعیان ترقی کا استدلال

ایک یہ بات لوگ بہت کہا کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں ترقی کی ضرورت

(۱) صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۲۸۸۔

نہ تھی کیونکہ دوسری قومیں بھی ترقی یافتہ نہ تھیں۔ اب ضرورت ہے ان سے دریافت کرنا چاہئے کہ کیا اس زمانہ میں کسی نے ترقی نہ کی تھی۔ قیصر اور کسریٰ کی عیش پرستیاں اور عیش و نشاط کے سامان دیکھئے تاریخ پڑھئے مال و دولت میں آرام میں تزک اور احتشام میں کیا تھا جو ان کے پاس نہ تھا۔ عمدہ سے عمدہ سامانِ عشرت مہیا تھے اور مسلمانوں کے پاس وہ سامان اور اسباب نہ تھا پھر بھی حضور ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا جو اوپر مذکور ہوا تو اب کیا باقی رہ گیا بلکہ اگر غور کیا جائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو افراطِ دنیا سے کچھ ضرر(۱) بھی نہ ہوسکتا تھا کیونکہ قلب نہایت قوی رکھتے تھے۔ خدا کی اطاعت فرمانبرداری ان کے دلوں اور رگ و ریشہ میں گھری ہوئی تھی دل و جان سے احکام شرعیہ کی تعمیل پر آمادہ اور سرگرم رہتے تھے خدا کے خوف سے ہر وقت ترساں و لرزاں رہا(۲) کرتے تھے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو سانپ پکڑنے اور اس کے زہر کے اثر نہ کرنے کا منتر یاد کرادیا گیا ہو تو وہ سانپ کو بے کھٹکے پکڑ سکتا ہے اگرچہ سانپ اس کے ہاتھ میں ہو مگر وہ ہر طرح سے مطمئن ہے دنیا اگرچہ سانپ کی مثل تھی لیکن صحابہ کو اس کا منتر یاد تھا یعنی ذکر اللہ، خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے ایسی حالت میں ان کو دنیا سے کیا ضرر ہوسکتا تھا بخلاف ہم لوگوں کے، منتر تو یاد نہیں اور سانپ کو پکڑنا چاہتے ہیں، آخر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہلاکت! جہاں ذرا اس نے ڈسا اور خاتمہ ہوا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ حالت تھی کہ اس کا کچھ کہنا ہی نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کی دیانت، حق پرستی، قوتِ ایمان ایسے ہی تمام اخلاق و صفات

(۱) نقصان (۲) ڈرتے رہتے۔

موافقین کیا مخالفین کے نزدیک بھی مسلم الثبوت ہیں(۱) ذرا ان کی حالت دیکھئے خلافت کا تو زمانہ اور کپڑے پیوند لگے پہنے ہوئے۔ چکنا سالن تک نہ کھاتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی دعوت کی تھی اور گوشت پکا رکھا تھا جس میں گھی بھی کسی قدر ڈالا تھا کھانا کھانے کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میاں تم نے تو ایک سالن کے ساتھ دوسرا سالن بھی جمع کر دیا یعنی ایک تو گھی اس سے بھی روٹی کھائی جاسکتی ہے دوسرا گوشت کہ اس سے بھی روٹی کھا سکتے ہیں اس قدر اسراف اور تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میں نے اس مقدارِ معین سے زیادہ صرف نہیں کیا ہے۔ جس قدر خرچ لے کر گوشت خریدنے نکلا تھا اسی قدر میں بوجہ معمولی ہونے گوشت کے تھوڑے کا گوشت لے لیا اور باقی کا گھی خرید لیا آپ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح ہے مگر میرے نزدیک غیر مناسب ہے القصہ آپ نے وہ کھانا نہیں کھایا۔

چھپر رہنے کو تھا کوئی بڑا محل نہ تھا دربان نہ تھے پہرہ چوکی نہ تھا۔ اپنے کام خود کر لیا کرتے تھے۔ راتوں کو گشت لگاتے تھے لوگوں کی حالت دریافت کرتے تھے۔ ضعفا اور مساکین کی خبر لیتے تھے پھر بھی آپ کی کیفیت اور حالت کو دیکھئے بغور ملاحظہ کیجئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ جن کا ''صاحب اسرار لقب'' ہے اس وجہ سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منافقین کے نام بتلا دیئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو قسم دے دے کر پوچھا کرتے تھے کہ سچ بتلانا کہیں میرا نام تو ان لوگوں میں نہیں ہے۔ جب تقویٰ اور خشیت کی یہ حالت ہو تو پھر اگر ایسے لوگوں کے پاس دنیا ہوئی تو ان کو کیا ضرر ہو سکتا ہے اب بتلایئے کہ اس زمانے کے مناسب کیوں ہے کیا اس زمانہ میں کچھ ترقی نہیں ہوئی تھی اکاسرہ اور قیاصرہ(۲) کے پاس

(۱) مخالفین بھی صحابہ کے اخلاق وصفات حمیدہ کے معترف ہیں (۲) قیصر وکسریٰ کے پاس کس چیز کی کمی تھی۔

کس چیز کی کمی تھی اور صحابہ کو ضرر کا احتمال بھی نہ تھا۔

احکام اسلام کے بارے میں مدعیان ترقی کا طرز عمل

علاوہ اس کے اور تمام چیزوں میں بھی یہی عذر کیا کرتے ہیں۔ نماز کی نسبت کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں ضرورت تھی۔ جب نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ کیونکہ بت پرستی حال ہی میں چھوڑی تھی اس لئے ضرورت تھی کہ خدا کی عبادت کریں تاکہ بتوں کا خیال دل سے نکل جائے۔

روزہ رمضان کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں غصہ وغیرہ کا غلبہ تھا قوت کا زور تھا اس لئے ضرورت تھی کہ روزہ رکھیں تاکہ ضعف آجاوے۔ وہ سختی جاتی رہی اب کو وہی لوگ ضعیف اور مہذب ہو رہے ہیں۔ اب کیا ضرورت ہے۔ رہا حج چونکہ وہ تجارت کا ذریعہ تھا۔ تجارت کے لئے لوگ جمع ہوا کرتے تھے حج کی بھی بیخ لگادی۔ رہ گئی زکوٰۃ، سو وہ تو ان کی ترقی کے بالکل ہی خلاف ہے۔ تصویروں کے متعلق کہتے ہیں کہ پہلے لوگ بت پرستی کے ہو رہے تھے اس کو اچھا سمجھتے تھے۔ اسلام لانے کے بعد پہلا خیال کچھ نہ کچھ دل میں بسا ہوا تھا۔ اگر تصویر وغیرہ رکھتے تو خیال سابق میں زیادتی ہوتی اور بت پرستی کا ذریعہ ہو جاتا اب کیا ضرورت ہے۔ اب تو بعض بت پرست قومیں بھی اس قباحت کو تسلیم کرتی ہیں اور مسلمانوں میں تو یہ پشت ہا پشت سے بت پرستی کا نام بھی نہیں۔ اب تصویر سے کیا حرج ہے۔

غرض طوفان بے تمیزی برپا کر رکھا ہے جو کچھ جی میں آتا ہے کہتے ہیں یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اسلام ہی کی ضرورت نہیں۔ چلو چھٹی ہوئی۔ دعویٰ تو اسلام کا اور اس کے تمام احکام سے انکار، ہر چیز کے ساتھ پھیر پھار کر دین سے انکار کرنا

چاہتے ہیں صاف صاف انکار کرنا تو ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ لوگ برا کہیں گے اگر چہ بعض نے ہمت کر کے یہ بھی کہہ دیا کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے۔

بے ہودہ رائے اور اس کا جواب

ایک کمیٹی لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ترقی کے ذرائع اور موانع (۱) سوچنے کے متعلق وہاں ایک صاحب نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مذہب ہی مانع ترقی ہے ایک صاحب نے وہیں خوب ہی جواب دیا ور کہا کہ واقعی یہ بات ہے لیکن مذہب کی طرح قانون بھی تو مانع ترقی ہے۔ جب مذہب سے دست بردار ہوتے ہو تو قانون کو بھی چھوڑ دو۔ چوری ڈکیتی کی جائے تو بہت سا مال جمع ہوسکتا ہے اگر موقع ہو اور کسی کے قتل سے مال ہاتھ آتا ہو تو اس سے دریغ کرنے کی کیا وجہ غصب کو بھی جی چاہتا ہوگا۔ پھر کون مانع ہے یہی تا کہ قانوناً ان امور کے مرتکب ہونے والے کو سزا ہوتی ہے ذرا خلاف قانون کریں تو خبر لی جائے۔

انصاف تو یہ تھا کہ اگر مذہب سے دست بردار ہوتے تھے تو قانون کو بھی چھوڑ دیتے اس کی بھی پروانہ کرتے غضب ہے حکام ظاہری کے قانون کا تو اتنا خوف اور حاکم حقیقی اور تمام جہان کے بادشاہ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ دلیری اور یہ گستاخی عجب اندھیرا ہو رہا ہے۔ دنیا میں انہاک ہے۔

عبادت کی صورت

ایسی حالت میں عبادت کی بھلا کہاں نوبت آسکتی ہے۔اگر کچھ لوگوں کو توفیق ہوئی بھی تو محض صورت عبادت کی ہوتی ہے معنی عبادت کی بالکل نہیں ہوتی معنی سے یہ عبادت محض معرا ہوتی ہے (۲) اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادام تو ہو اور

(۱) ترقی کے ذرائع اور اسکی رکاوٹوں کے بارے میں سوچنے کے لئے (۲) خالی ہوتی ہے۔

اس میں مغز نہ ہو(۱) صرف پوست ہی پوست (۲) ہو یا جیسے دیوالی کی مورتیں اور تصویریں (۳) ہوتی ہیں کہ یہ کمہار ہے یہ لوہار وغیرہ ہے سب ہی کچھ ہے لیکن اصلیت نہیں۔ نام کو آدمی لیکن آدمیت نہیں۔ نام تو ہاتھی ہے اور کام کچھ نہیں کرسکتا کسی چیز کو لادنا (۴) تو درکنار وہ خود خریدنے والے اور بنانے والے پر لدا لدا پھرتا ہے اور اگر کوئی حاکم کسی سے کہے کہ ہمیں ایک آدمی کی ضرورت ہے اور کوئی شخص آدمی کی تصویر پیش کردے کہ حضور اس کو نوکری میں قبول فرماویں تو کیا وہ حاکم اس بے وقوف نادان سے ناراض نہ ہوگا اور اس کی اس بے ہودہ حرکت کو سخت بے ادبی اور گستاخی نہ سمجھے گا سزا نہ دے گا۔

تو پھر بڑے غضب کی بات ہے کہ ہم خدا کے سامنے اس نام کے آدمی یعنی صورت آدمی کے مثل صورت عبادت کو بے خوف وخطر پیش کریں اور گستاخی کا ذرا خیال تک نہ آئے۔ عبادت بے جان تو پیش کریں اور شرماویں نہیں۔

حقیقت وروحِ عبادت

اب سمجھنا چاہئے کہ عبادت کی روح اور جان کیا ہے اس کی حقیقت اور صورت میں کیا فرق ہے کون سی چیز ہے جس کے ہونے سے صورتِ عبادت اصلی عبادت ہوجاتی ہے اس کا کیا درجہ ہے پس اس حدیث میں دیکھئے عبادت کے اچھا کرنے کی حقیقت بتائی ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کے اچھا ہونے کے کیا معنی ہوا کرتے ہیں۔ یعنی اس میں کوئی نقصان نہ ہو کوئی کسر نہ رہے۔ جیسی چاہئے ویسی ہی ہو۔

---

(۱) گری (۲) چھلکا ہی چھلکا (۳) جیسے ہندو اپنے تہوار کے موقع پر مٹی کی مورتیاں اور تصویریں بناتے ہیں (۴) کسی کا بوجھ تو کیا اٹھانا خود دوسرے پر بوجھ بنا ہوا ہے کہ وہ اس کو اٹھا کر پھر رہا ہے۔

غرض ہر چیز کا اچھا ہونا اس کے مناسب جدا طریق سے ہوتا ہے مثلاً اچھی روٹی وہ ہوگی جس کا مادہ بھی اچھا، صورت بھی اچھی ہو جو اس کا ثمرہ ہے وہ بھی اچھا ہو۔

اسی طرح یوں کہا کرتے ہیں کہ فلاں طالب علم امتحان میں اچھا رہا۔ یعنی اس کی تقریر بھی اچھی اور تحریر بھی طرزِ بیان بھی خوب صاف تھا، مطلب واضح تھا حشو وزوائد سے کلام مبرا تھا(۱) یعنی تمام ضروریات مجتمع تھیں۔ کوئی حالت ایسی نہ تھی جس کی کمی رہ گئی ہو۔ اسی پر قیاس کر کے عبادت کے اچھا ہونے کے معنی بھی سمجھئے کہ جتنے امور کی عبادت میں ضرورت ہے۔ جو چیزیں واجب الاجتماع ہیں سب کی سب اس میں پائی جاویں کسی چیز کی کسر نہ رہے۔ یہ تو اجمالاً تھا۔

علم وعمل کی ضرورت

اب اس کی تفصیل کہ وہ کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے عبادت اچھی ہوتی ہے شرائع میں غور کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے لوگ عموماً غلطی کرتے ہیں اور صرف صورت اور نقل عبادت ہی کو عبادت سمجھتے ہیں یعنی فقہاء نے جو ضبط کردیا ہے قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، قومہ وغیرہ۔ اس میں شک نہیں جو کچھ فقہاء نے لکھا ہے وہ ٹھیک ہے اور جو فقہ کا موضوع تھا اس کے موافق انہوں نے لکھا ہے لیکن یہ تو کہیں نہیں لکھا کہ تمام امور میں جن کو عبادت سے تعلق ہے اس میں منحصر (۲) ہیں شریعت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں کے ساتھ اور کچھ بھی ہے اس فقہ کے ساتھ ایک دوسری فقہ یعنی معنی شرع کا بھی اعتبار ہے۔ اس معنوی فقہ کو تصوف کہتے ہیں تصوف کو علیحدہ اور الگ کتابوں میں لکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فقہ سے خارج ہو جاوے یہ علیحدگی ایسی ہے جیسے فقہ مذکورہ میں کتاب الزکوٰۃ اور

(۱) بیکار باتوں سے اسکا کلام خالی تھا (۲) صرف یہی کام عبادت ہیں اس کے علاوہ نہیں۔

کتاب الصلوٰۃ الگ الگ کتابیں ہیں کتاب الصلوٰۃ کے مسائل کتاب الزکوٰۃ میں نہیں ملیں گے اور کتاب الزکوٰۃ کے کتاب الصلوٰہ میں۔ اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ کتاب الزکوٰۃ یا کتاب الصلوٰۃ فقہ میں داخل نہیں۔ اسی طرح کتاب التصوف بھی ہے اگرچہ اس کی کتابیں الگ ہیں۔ اگر کوئی ہدایہ (۱) کی ہر ہر کتاب کو الگ الگ چھاپ دے تو کیا کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ وغیرہ ہدایہ سے خارج ہوجاویں گی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح توحید اخلاص یا کبر، تواضع عجب وغیرہ اخلاقِ حمیدہ اور رذیلہ کے احکام بھی فقہ میں داخل ہیں عموماً لوگ نماز میں قیام رکوع وغیرہ ہی کو عبادت کی حقیقت سمجھتے ہیں اور اسی میں عبادت کو محصور جانتے ہیں عوام تو عوام طالب علموں کی بھی شکایت ہے ہم لوگوں کی اپنی حالت قابلِ افسوس ہے۔ ہاں اہلِ علم خود اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

عملی کوتاہی

میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کو علم کی فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔ بڑا اہتمام اس کا ہوتا ہے کہ ہم ساری کتابیں پوری کرلیں ہدایہ بھی، صدرا بھی، شمس بازغہ بھی لیکن عمل کرنے کی ذرا بھی فکر نہیں، قوتِ عملیہ اس درجہ ضعیف ہورہی ہے اس درجہ اس میں خلل آگیا ہے اس قدر مختل ہورہی ہے۔ جس کا حساب نہیں، ایسی ایسی خفیف حرکات کرتے ہیں جس سے افسوس ہوتا ہے بہت سے معاصی ہیں کہ ان میں شب وروز مبتلا ہیں (۲) اور خیال بھی نہیں آتا کہ ہم نے کوئی گناہ بھی کیا۔ کسی کی چیز بلا اجازت اٹھالی اور جہاں چاہا ڈال دی۔ کسی کی کتاب بلا اجازت لے لی اور ایسی جگہ رکھ دی کہ اس کو نہیں ملتی۔ وہ پریشان ہورہا ہے۔ کسی سے کسی اچھے کام کا وعدہ کیا اور اس کے کرنے کی اصلاً

(۱) کتاب کا نام (۲) دن رات بہت سے گناہوں میں مبتلا ہیں۔

فکر نہیں۔اسی طرح سینکڑوں قصے ہیں کہاں تک بیان کئے جاویں۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی ان کے علم وفضل میں شک نہیں ہوتا حالانکہ فقط کسی چیز کا جان لینا کوئی ایسا کمال نہیں یوں تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے۔ بڑے بڑوں کو بہکاتا ہے۔تفسیر میں وہ ماہر حدیث سے وہ واقف فقہ میں وہ کامل، کیا ہے جس کو وہ نہیں جانتا اور اگر زیادہ نہ جانتا ہوتا تو علماء کو بہکا کیسے سکتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی فن میں ماہر ہوتا ہے جب ہی تو وہ اپنے سے کم جاننے والے کو دھوکا دے سکتا ہے اس میں (یعنی شیطان میں) اگر کمی ہے تو صرف اسی بات کی کہ اپنے علم پر عمل نہیں کرتا چنانچہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے ایسا علم جو عمل کے لئے نہ ہو جہنم کا ذریعہ ہے۔

خشوع کی اہمیت

اس حدیث میں (لیجادل به العلماء ولیماری به السفهاء)(١) وغیرہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ہم لوگ ایسے غافل ہو رہے ہیں کہ اپنی اصلاح کی ذرا فکر نہیں کرتے بعض لوگ گو قصداً گناہ نہیں کرتے لیکن بے پروائی کی وجہ سے ان سے گناہ ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی شکایت کے قابل ہیں۔ اگر کوئی ملازمِ سرکاری بے پروائی کرے اور کام خراب کر دے تو اس سے باز پرس نہیں ہوگی؟

لوگوں نے عبادت کا ست نکال لیا ہے مثلاً بظاہر اٹھ بیٹھ لئے اور نماز ادا ہوگئی۔خصوصاً اہل علم بھی اس کا خیال نہیں کرتے کہ سوائے ظاہری قیام وقعود کے اور بھی کچھ ہے اور وہ ضروری بھی ہے۔جس قرآن میں ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ﴾(٢) ہے، اسی میں خاشعون بھی آیا ہے جب صلاتہم کے لفظ

(١) اس علم کے ذریعہ علماء سے جھگڑا کریں اور عوام کو بے وقوف بنائیں'' مشکوٰۃ میں یہ حدیث ان الفاظ سے منقول ہے۔من طلب العلم لیجاری بہ العلماء او لیماری بہ السفہاء: مشکوٰۃ ٣٤''(٢) سورۂ مؤمنون:١۔

سے نماز کو مطلوبِ شرعی سمجھتے ہیں تو کیا وجہ ہے خاشعون سے خشوع کو مطلوب نہیں سمجھتے(۱)۔ اسی طرح اور مقامات سے پتہ چلتا ہے کہ خشوع بھی ویسا ہی ہے جیسے قیام ورکوع وغیرہ۔ اس غلطی کو دفع کرنا بہت ضروری ہے۔ ایک کو تو ضروری سمجھیں اور دوسرے کو ضروری نہ سمجھیں حالانکہ دونوں حکم یکساں ضروری ہیں یہ خشوع ہی ہے جس سے عبادت اچھی ہوتی ہے احسان اسی سے حاصل ہوتا ہے۔ احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں۔ اول احسان کا ضروری ہونا۔ دوسرے احسان کی حقیقت۔ تیسرے تحصیلِ طریق احسان اجمالاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا۔ (اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) الخ۔ سے معلوم ہو چکا ہے اب اس کا ضروری ہونا سنئے۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ لا وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ط﴾(۲)

’’کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل نصیحت اور دین حق (جو منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان کے قبل کتاب ملی تھی پھر ان پر زمانہ گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پس ان کے دل سخت ہو گئے۔‘‘

یہاں ذکر اللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے اور ذکر اللہ میں ساری عبادتیں آ گئیں۔ دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے شکایت کی ہے اور یہود نصاریٰ سے تشبیہ دے کر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ بنو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترکِ خشوع کیسی بری چیز ہے جس کے باعث کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے: (فقست قلوبهم) قساوت قلب نہایت بری چیز

(۱) خشوع کو ضروری نہیں سمجھے (۲) سورۃ الحدید: ۱۶۔

ہے قرآن شریف میں آیا ہے ﴿ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''یعنی تباہی اور ہلاکت ہے ان کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں۔ وہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہیں۔

خشوع اختیار نہ کرنے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں قلبِ قاسی خدا سے بہت دور ہے ان نصوص سے ثابت ہوا کہ قساوت بری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے اس کی فکر بھی نہیں کرتے۔ جو شخص کسی چیز سے واقف نہ ہو گا وہ اس کو حاصل کیا کرے گا۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے۔ ایسی مدہوشی ہو جاوے کہ تیر برچھا(۱) کچھ ہی لگے اس کی خبر نہ ہو۔ یعنی انسان جماد(۲) کی طرح بن جاوے۔ آدمیت سے گزر جاوے، کوئی پوچھے یہ معنی لکھے کہاں ہیں اور کس نے لکھے ہیں۔ اس کا کچھ جواب نہیں اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے انہوں نے ایسی حکایتیں بیان کیں جن سے لوگ دھوکا میں پڑ گئے، پڑھے لکھے لوگ بھی اس سے ناواقف ہیں۔

مدارس میں کتب تصوف پڑھانے کی ضرورت

اور کیوں نہ ہوں ان کے درس میں کوئی تصوف کی کتاب تو ہے نہیں لیکن عام لوگوں کے سنانے کے لئے موجود ہو گئے امراض قلبی اور امراضِ باطنی کے علاج کرنے پر آمادہ ہیں۔ وعظ و نصیحت کرنے پر مستعد حالانکہ خود نہیں سمجھتے۔ ان کی تو ایسے شخص کی مثال ہے جس نے نہ طب پڑھی، نہ مطب کیا اور علاج کرنے لگا۔

(۱) تیر نیزہ کچھ بھی لگے (۲) پتھر کی طرح بے حس ہو جائے۔

علاج کے لئے پہلے طب پڑھنا ضروری ہے اور پھر مطب کرنا بھی لازمی ہے بغیر اس کے قابلیتِ علاج نہیں آسکتی ایسے ہی مدارس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

ایھا القوم الذی فی المدرسة　　کل ماحصلتموہ وسوسه
علم نبود غیر علم عاشقی　　مابقی تلبیس ابلیس شقی

’’اے قوم جو کچھ تم نے مدرسہ میں حاصل کیا وہ وسوسہ تھا علم عاشقی کے علاوہ جو علم بھی ہے وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہے‘‘

جیسے کنز وہدایہ ضروری ہے ویسے ہی ابوطالب مکی کی ’’قوت القلوب‘‘ اور امام غزالی کی ’’اربعین‘‘ اور شیخ شہاب الدین کی ’’عوارف‘‘ کا پڑھنا بھی ضروری ہے یہ گویا طب پڑھنا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو　　پیش مرد کاملے پامال شو

’’قال کو چھوڑ، حال پیدا کرو یہ اس وقت ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا پڑو‘‘

علم باطنی کے حصول کا طریقہ

کیسی ناانصافی ہے کہ جب دس برس علمِ ظاہری کی تحصیل میں صرف کیئے تو دس ماہ تو باطن کی اصلاح میں صرف کرو اور اس کا یہی طریق ہے کہ کسی کامل کی صحبت میں رہو۔ اس کے اخلاق، عادات، عبادات کو دیکھو کہ غصہ کے وقت اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ شہوت کے وقت وہ کیسی حالت میں رہتا ہے خوشامد کا اس پر کہاں تک اثر پڑتا ہے اسی طرح تمام اخلاق کا حال ہے کیونکہ پھر جب کبھی اس کو غصہ آئے گا تو سوچے گا کہ اس کامل کی غصہ کے وقت کیا حالت ہوئی تھی۔ ہم بھی ویسا ہی کریں۔ اس کے اخلاق وعادات پیش نظر ہو جاویں گے۔ یہ اس کا مطلب ہوا۔ چنانچہ کہا ہے۔

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تاراہ بیں نباشی کے راہبر شوی
در مکتب حقائق پیش ادیب عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

’’اے بے خبر کوشش کر کہ صاحب خبر ہوجائے جب تک راستہ دیکھنے والا نہ ہوگا راستہ دکھانے والا کیسا ہوگا، اس لئے حقائق کے مدرسہ میں ادیب عشق کے سامنے کوشش کر ایک نہ ایک روز باپ یعنی (مصلح) بن جائے گا‘‘۔

واعظوں کی خرابیاں

ساری خرابیاں ان ہی ناعاقبت اندیش واعظوں کی ڈالی ہوئی ہیں ایسی ایسی حکایتیں بیان کرتے ہیں جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ عمل کرنا بہت دشوار ہے اور جو کچھ کرتے ہیں، ایسی حکایتوں کی وجہ سے اس کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔

مثلاً طلبِ حلال کے متعلق یہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حلال روزی کی طلب میں (۱) نکلے۔ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جس کے پاس حلال روزی کی خبر لگی تھی۔اس نے جواب دیا، تھی تو میرے پاس لیکن چندروز سے حلال نہیں رہی۔ اتفاق سے میرا بیل دوسرے کے کھیت میں چلا گیا۔دوسرے کھیت کی مٹی اس کے پیر میں لگ کر میرے کھیت میں آگری ہے اس لئے اب روزی حلال نہیں رہی۔

محض مستبعد بات ہے (۲) اول تو یہ ممکن نہیں ہے کہ کسی کے بیل کھیت ہی میں ہمیشہ رہا کریں۔باہر نکلنے کی نوبت ہی نہ آئے اگر ہو بھی تو اس سے کہیں حرمت آتی ہے۔اور تمام امور سے قطع نظر کر کے اگر اس کی کوئی توجیہ بھی ہو تو اس بزرگ کی خاص حالت ہوگی عام تکلیف تو (۳) نہیں دی جاسکتی اب ظاہر ہے کہ اس

(۱) تلاش میں (۲) بالکل بیکار اور بے حقیقت بات ہے (۳) عوام کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔

حکایت کو سن کر یہ خیال پیدا ہوگا کہ حلال روزی تو ممکن نہیں۔ اس لئے پھر خوب دل کھول کر حرام ہی کمایا جائے۔ جس طرح ملے چوری سے، دغابازی سے، رشوت سے سود سے، سب لینا چاہئے اور اس طرح تباہ ہوجاتے ہیں، ایسی باتیں بیان کرنے سے ان کی غرض ہوتی ہے کہ وعظ میں ذرا رنگ آجائے نئی بات ہونے کی وجہ سے لوگوں کے پسند آئے خوب واہ واہ ہو۔ شریعت میں ہرگز ایسی تنگی نہیں ہے۔

احمق بخیل کی حکایت

اس تنگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے ایک بخیل صاحب کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ بے چراغ بڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کو مسجد چل کھڑے ہوئے راستہ میں یاد آیا کہ یہ فضول خرچی ہے لوٹ کر چراغ گل کرنے آئے لونڈی نے پوچھا خیر تو ہے حضور کیسے لوٹ آئے۔ اتنی فضول خرچی ہوئی کہ آپ کے یہاں تک آنے میں جوتا گھس گیا ہوگا۔ بڑے خوش ہوئے اور جواب دیا کہ چراغ جلتا چھوڑ گیا تھا اس کے بجھانے کو آیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے پہلے ہی گُل کر دیا تھا۔ وہ بولے کہ شاباش تو بڑی محتاط ہے اور تجھے فکر ہے کہ کوئی فضول خرچی نہ ہوجتی کہ میرے جوتے گھسنے کا بھی خیال ہے لیکن سمجھ لے کہ میں نے لوٹتے وقت جوتا اتار کر بغل میں دبا لیا تھا۔

(لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ) شریعت ایسی مہمل باتوں سے پاک ہے ایسی تنگی اس میں کہاں؟

خشوع کے غلط معنی

بلکہ جب حلال صورتیں بکثرت بتلائی جائیں گی تب توفیق عمل کی ہوگی

حلال روزی کی فکر کریں گے سمجھ لو کہ ہدایہ و کنز وغیرہ میں تو جو چیزیں حلال لکھی ہیں وہ بلاشبہ حلال ہیں۔ اس میں ذرا شک نہیں بات کیا ہے کہ اہلِ باطن مغلوب الحال تھے یہ ان کی حکایتیں ہیں عوام کے سامنے اس کو بیان کر دیا۔ یہ تو وہی مثل ہے کہ ایک شخص کو پیچش کا عارضہ تھا حکیم صاحب نے اس کے لئے وہی خشکہ (۱) تجویز فرمایا اور ایک شخص کو ضعف دماغ تھا۔ اس کے لئے مقوی چیزیں گوشت، یخنی، دودھ، قورمہ تجویز کیا۔ اب اگر پیچش والا سن کر اس پر عمل کرنے لگے تباہ نہیں ہوگا تو کیا ہوگا مرے گا۔

اسی طرح جو حالات بیان کئے تھے سچ تھے لیکن یہ کس کے تھے اہل باطن کے لئے، یہ ضروری نہیں کہ ہر سچی بات بیان کر ہی دی جائے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہی خشوع ہے اور یہی بڑا کمال ہے کہ تیر بھی لگے تو خبر نہ ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ نماز کو ذرا طویل کروں لیکن کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں پریشان ہو جائے گی۔

اب بتلائیے کہ یہ کمال کی حالت ہے یا وہ، تیر کی خبر نہ ہونا بھی ایک حالت ہے جسے استغراق و محویت کہتے ہیں۔ لیکن وہ خشوع نہیں ہے نماز کے معنی اگر کوئی بیان کرے کہ صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک نہ کھانا تو یہ غلط ہے اگرچہ نماز بھی کوئی چیز ہے لیکن یہ نماز نہیں ہے اسی طرح یہ حالت تو ضرور لیکن یہ خشوع نہیں ہے۔

یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کہ ایک مرتبہ مقدمہ پیش ہوا۔ مدعا علیہ نے گواہ پر جرح کی کہ نماز نہیں پڑھتا۔ اس نے کہا کہ واہ صاحب میں تو حج بھی کر آیا ہوں۔

---

(۱) سارے چاول۔

قاضی نے اس سے پوچھا کہ اچھا بتلا زمزم کیا ہے اور عرفات کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زمزم ایک بوڑھا آدمی ہے اور عرفات ایک باغ ہے جس میں وہ بوڑھا بیٹھا ہوا ہے قاضی نے کہا کہ کیا غلط کہتا ہے فضول بکتا ہے ہم نے خود حج کیا ہے زمزم ایک کنویں کا نام ہے اور عرفات ایک جنگل ہے اس نے کہا جب میں گیا تھا اس وقت تو یہی تھا آپ کے جانے کے وقت بدل گیا ہوگا۔

خشوع کے معنی یہ کہنا کہ کچھ خبر نہ ہو ایسا ہی ہے جیسے حاجی کاذب (۱) نے کنویں اور عرفات کی حقیقت بیان کی تھی۔ ہاں اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ یہ بھی ایک حالت ہے۔ جیسے عرفات وزمزم کا وجود واقعی تھا گو جو وہ کہتا تھا، نہ تھا۔ گو بعض لوگ سرے سے اس حالت ہی کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر خلافِ فطرت ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص نماز پڑھتا ہو اس طرح کہ اس کو تیر لگنے کی خبر نہ ہو۔ اس منکر (۲) کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی مادر زاد عنین (۳) لذتِ جماع کا انکار کرے یا کوئی مادر زاد اندھا کہے کہ لوگ جس کو دیکھنا کہتے ہیں وہ کوئی چیز نہیں حالانکہ ایسے واقعات ثابت ہوئے ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ادبِ حدیث

امام مالک حدیث شریف کا بیان کررہے تھے، ان کی آستین میں کہیں سے کم بخت ایک بچھو گھس گیا تھا۔ وہ ڈنک مارتا تھا جس کے صدمہ سے ان کا چہرہ متغیر ہوجاتا لیکن اُف نہیں کرتے تھے۔ اور برابر حدیث شریف کا بیان کرتے رہے۔ حتی کہ گیارہ بار اس نے نیش زنی (۴) کی جب گھر میں آکر کرتہ اتارا تو

(۱) جھوٹا حاجی (۲) انکار کرنے والے (۳) کوئی پیدائشی نامرد (۴) گیارہ مرتبہ ڈنک مارا۔

کرتے میں خادم نے بچھو کو دیکھ کر عرض کیا کہ آپ نے اس وقت کیوں نہیں اظہار فرمایا جواب دیا کہ مجھے شرم آئی کہ حدیث شریف کے بیان کے وقت دوسری طرف متوجہ ہوں۔

لیکن باوجودیکہ خشوع کے یہ معنی نہیں کہ دوسرا خیال نہ آوے جو شخص خشوع کی حقیقت نہ سمجھے گا سخت غلطی میں مبتلا ہوگا، سمجھے گا کہ دوسرا خیال تو رک نہیں سکتا اور بندہ خشوع کا ہے مکلّف، اس لئے ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا﴾ ''اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے'' میں شک کرنے لگا۔ ایسی حکایتوں سے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

خشوع کی حقیقت

اب چاہئے کہ خشوع کی حقیقت کو خوب سمجھ لیا جائے پہلے لغت کے موافق اس کے معنی بیان کئے جاتے ہیں پھر شرعیات سے اس کی تائید کردی جائے گی اس سے معلوم ہوجائے گا کہ خشوع کیا چیز ہے خشوع کے معنی ہیں دب جانا، پست ہوجانا یعنی سکون، جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے ﴿وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ﴾ (۱) ''یعنی منجملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے''

چونکہ ''اھتزت وربت'' سے ''خاشعۃ'' کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہتزاز اور بڑھنے اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعۃ کے معنی سکون اور پستی والے کے ہوں گے اور مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شئے کی حرکت وسکون جداگانہ ہوتا ہے مثلاً اگر کہا

(۱) سورۃ السجدہ: ۳۹۔

جاوے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنٰی ہلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جاوے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی ذکر کرنا اور سوچنا جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب (۲) پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن ہیں اور قلب (۳) بھی لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔

جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں، ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے خیالات کا نام حرکت ہوگا اور قلب کا سکون اس کی حرکت کے مقابل ہے۔ حرکت تو یہ ہے، خیال کرنا، تصور کرنا، فکر کرنا یعنی سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت واختیار ضدین سے متحقق ہوتا ہے پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی نہ سوچنا بھی اختیاری ہوگا۔ اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلّف ہوتا ہے لہذا خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا۔ یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔

غیر اختیاری وساوس کی حقیقت وعلاج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہوجانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے

(۲) دل اور ہاتھ پیر (۳) ہاتھوں پیروں اور تمام اعضاء میں بشمول دل کے سکون ہو یہ ہے خشوع۔

آپ ﷺ نے فرمایا(أ وجدتموه؟ قالو انعم قال ذلك صريح الايمان)یعنی آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اس کو پایا ہے یعنی کیا ایسے خیالات آتے ہیں۔لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال ہو متاع ہو۔اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاعِ ایمان ہو۔مولانا روم فرماتے ہیں۔

دیو آید سوئے انساں بہر شر   پیش تو نیاید کہ از دیو بدتر

''شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ تو شیطان سے بدتر ہے''

شیطان بڑا استاد ہے اپنا فضول وقت ضائع نہیں کرتا جو خود شیطان بن گیا ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی کی فکر میں رہتا ہے اپنی دھن کا پکا ہے ایمانداروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے ہم لوگوں کو تو اس سے اس خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہئے تھا۔

ایک چور نہایت نامی تھا ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا آخر ایک مرتبہ سولی دے دی گئی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دوڑ کر اس کے پیر چوم لئے لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابلِ تعریف ہے اگر ہم خدا کی اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے مدارج کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے۔

اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے اور وسوسے اور خیالات کی کچھ پروا نہ کرنا چاہئے بڑے بڑے خطرات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو ان کی پرواہ نہ کرے نہ الجھے، بزرگوں کو ہی آتے ہیں، فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیبِ قلب کی صحبت نہیں نصیب ہوئی۔ اگر

کوئی جاننے والا مل جاتا، تو کہہ دیتا کہ اگر وسوسے آتے ہیں تو آنے دو کچھ پروانہ کرو۔ قلب کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے کہ اس پر حاکم، رئیس اور ادنیٰ چمار دونوں گزرتے چلتے جاتے ہیں۔

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں   درمیاں شاں برزخ لا یبغیاں

''بحرِ تلخ اور بحرِ شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مختلط اور مشتبہ نہیں ہوئے''

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے۔ کتا بھونکا کرے اور التفات نہ کیا جائے تو آپ چپ ہو جاتا ہے اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے اور زیادہ غصہ کر کر کے بھونکتا ہے اسی طرح وساوسِ شیطانی کی طرف التفات ہی نہ کرے۔ کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے اس کے سامنے آموجود ہوتا ہے وسوسہ پر جو غمگین ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہئے کہ الحمدللہ دولتِ ایمان موجود ہے اگر آدمی میں قوتِ توکل اور اعتمال علی اللہ کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہاں قصداً خیال کا لانا بے شک منافی خشوع اور حضورِ قلب کے ہے۔

اب اس تقریر سے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ خشوع اور حضورِ قلب اختیاری ہے اور نہایت آسان ہے۔

حضور قلب کا طریق

لیکن تاہم جب تک طریق نہ معلوم ہو اور اس پر عمل نہ کیا جائے کامیابی نہیں ہو سکتی کپڑا سینا آسان ہے ہر شخص جانتا ہے کہ کیسے کپڑا سیتے ہیں لیکن سینا جب ہی آسکتا ہے کہ کسی درزی سے طریقہ سیکھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی

طرح حضورِ قلب کا حال ہے اس طریق کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے یہ مسئلہ عقلی ہے کہ:

النفس لا تتوجہ الی شیئین فی اٰن واحد

''یعنی پوری توجہ ایک ہی چیز کی طرف ہوا کرتی ہے ایک آن میں''

اگر دو چیزیں خیال میں ہوں تو سمجھنا چاہئے کہ دونوں میں سے کسی کی طرف بھی پوری توجہ نہیں یا دو چیزیں نظر آتی ہیں تو توجہ کامل دونوں میں سے ایک کی طرف بھی نہیں۔ جس چیز کو آدمی گھورتا ہے اسی کی طرف دیکھنے میں توجہ ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ طریقہ یہی ہے کہ ایک کا خیال رکھیں تو دوسرے خیالات خود دفعہ ہو جائیں گے اور کوئی خیال نہ آئے گا کیونکہ اگر یہ کوشش کی جائے کہ ایک ایک کر کے خیالات دفع کئے جائیں تو سخت دشواری پیش آئے گی اور دفعہ ہونا ناممکن ہو جائے گا کیونکہ اول تو دیکھی ہوئی چیزیں انسان کی بکثرت ہیں پھر علاوہ اس کے انسان کی قوتِ متفکرہ متخیلہ کو ترکیب دے دے کر بے تعداد فرضی صورتیں اختراع کیا کرتی ہے۔

تخیل کا کمال

مثلاً آپ نے دوسر کا آدمی کبھی نہیں دیکھا ہوگا لیکن یہ قوتِ متفکّرہ ایک دھڑ اور دوسر کو جوڑ کر خیالی صورت بنا کر سامنے کھڑی کر دیتی ہے اور انسان کو معلوم ہونے لگتا ہے کہ دوسَر کا آدمی ایسا ہو سکتا ہے۔

بہر حال! ایک ایک خیال کو دفع کرنا بہت دشوار اور بڑی ہی مصیبت ہے کبھی بھول کر بھی خیالات دفع کرنے کے پیچھے مت پڑو۔ بس اس کا طریقہ یہی ہے کہ کسی ایک چیز کی طرف دھیان لگا دو۔ اس دھیان کے باندھتے ہی سارے

خیالات خود بخود ہٹ جاویں گے بعض سالکین نے ناواقفی کے باعث ہجوم وساوس سے(۱) پریشان ہوکر خودکشی کرلی ہے یہ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ یا تو ان کو شیخ نہیں ملا یا شیخ کی تعلیم کی قدر نہیں کی۔ شیخ جس پر یہ امور گزرے ہوتے ہیں، جانتا ہے اور بتلا سکتا ہے۔ ایسی پریشانی کی حالت کو قبض کہتے ہیں اس عبادت میں بھی مزہ نہیں آتا اور جی گھٹتا ہے اور جی گھٹنے کی وجہ یہ ہے کہ لذت نہیں ملتی۔ ہم لوگوں کی عجب حالت ہے عبادت بھی ایسی کرنا چاہتے ہیں جس میں حظِ نفسانی ملے (۲) عبادت بھی چاہتے ہیں تو مزے دار حالانکہ مزہ مطلوب نہیں ہے بلکہ تعبّد مطلوب ہے البتہ مزہ سے عبادت سہل ہوجاتی ہے۔

طالب کا حال

غرض طالب کی یہ حالت ہونا چاہئے۔

خوشا وقت شوریدگان غمش — اگر ریش بینند وگر مرہمش
گدایان از بادشاہی نفور — بامیدش اندر گدائی صبور
دما دم شراب الم درکشند — اگر تلخ بینند دم درکشند
اگر مرد عشقے غم خویش گیر — وگر نہ رہ عاقبت پیش گیر
مترس از محبت کی خاکت کند — کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

''اس کے غم کے پریشان لوگوں کا اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں ایسے فقیر کہ بادشاہی سے نفرت کرنے والے اور اس کی امید پر فقیری میں قناعت کرنے والے ہیں ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو رہتے ہیں اگر عاشق ہے تو

(۱) وسوسوں کی زیادتی سے پریشان ہوکر (۲) جس میں ہمارا نفس خوش ہو۔

محبوب کے عشق میں آپ کو فنا کر ورنہ اپنی آسائش کی راہ اختیار کر۔ مت ڈر کہ محبت تجھ کو خاک کردے گی اس لئے کہ اگر تجھ کو ہلاک کرے گی تو بقائے جاودانی تجھ کو عطا کرے گی"۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما(۱)
باغباں گر پنج روزے صحبت گل بایدش بر جفائے خار ہجرا صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بند زلفش از پریشانی منال مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

"باغبان کو اگر صحبتِ گل کی خواہش ہے تو اس کو بلبل کی طرح ہجر کے کانٹوں کی اذیت پر صبر کرنا چاہئے۔ اے دل محبوب کی زلف کے پھندے میں پھنس کر پریشانی سے گریہ وزاری مت کر۔ سمجھدار پرندہ جب جال میں پھنس جاتا ہے تو اس کو صبر وتحمل کرنا چاہئے"

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من

"محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں"

بس زبون وسوسہ باشی دلا گر طرب را باز دانی از بلا

"پس براوسوسہ ہوا اے دل اگر خوشی کو بلا سے جدا جانے"

ہمت والوں کا تو یہ قول ہے

روزہا گر رفت گورو باک نیست تو بمال اے آنکہ چوں تو پاک نیست

"ایامِ تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے، عشق جو اصلی

(۱) جو دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا دنیا پر میرا ہمیشہ قائم رہنا ثابت ہے۔

دولت ہے سب خرابیوں سے پاک وصاف ہے اس کا ہونا کافی ہے‘‘

تم لذت کی فکر نہ کرو، کام کئے جاؤ بلا سے نہ آئے، حضورِ قلب کا طریق کلی طور پر تو معلوم ہو گیا۔

حقیقت احسان

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ کون سی شے ہے جس میں دل لگایا جائے اس کے دوطریق ہیں۔ اب تو مشہور ہے جو لوگوں نے حدیث (ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك)’’تم اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے‘‘ سے سمجھا ہے لیکن میرے نزدیک یہ سمجھنا صحیح نہیں اور اس کا بیان آگے آئے گا۔

دوسرا طریق (جو استاد علیہ الرحمۃ مولانا محمد یعقوب صاحب نے بتلایا تھا اور الحمدللہ ایک حدیث سے بھی میری سمجھ میں آ گیا اور تجربہ بھی اس کے مفید ہونے پر شاہد ہے) یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس طرح کہ (مقبلا علیھا بقلبہ) یعنی حال یہ ہو کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔

اب نماز دیکھنا چاہئے کہ نام کس کا ہے سو اس میں بعضی چیزیں تو مختلف ہیں ان کی طرف توجہ کرنے میں مبتدی کو یکسوئی حاصل ہوں ذرا تکلف ہے اس لئے دیکھنا چاہئے کہ اس میں کونسی چیز ہے جو نماز میں برابر ہوتی رہتی ہے سو وہ ذکر اللہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک پایا جاتا ہے تو اب نماز میں متوجہ ہونے کی صورت میں اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتی کہ ذکر اللہ کی طرف برابر توجہ رہے یعنی جو کچھ پڑھا جائے سوچ سوچ کر پڑھا جائے پہلے سوچ لو پھر زبان سے نکالو یہ نہیں کہ ریل

گاڑی ہے جہاں ڈرائیور نے کل چلادی (۱) اور گاڑی اڑی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اسٹیشن آگیا اور ڈرائیور نے روکی تو تھمی، اس طرح سے اپنے اندر کی ریل گاڑی کو اگر ہم چلائیں گے تو لڑے گی (۲) اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ سارے قوائے محمودہ کے مسافر پاش پاش ہوجائیں گے اور زمینِ باطن میں ہلچل پڑ جائے گی۔ دنیاوی ریل کے لڑنے کا (۳) حال تو اسی وقت آنکھوں سے نظر آجاتا ہے ہماری اندرونی ریل کے لڑنے کا حال قیامت میں کھلے گا بہرحال! چاہئے یہ کہ ہر ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھو اگرچہ اس میں دو چار دن مشقت (۴) معلوم ہوگی، جی گھبرائے گا کیونکہ جی روکنا پڑے گا لیکن جہاں ہم اپنے دنیاوی ذرا ذرا سے کاموں میں مشقت اٹھاتے ہیں خدا کے لئے بھی ذرا سی مشقت اٹھانا گوارا کرلیں۔ جب دنیا بے مشقت نہیں ملتی تو خدا کو چاہتے ہو کہ بے مشقت ہی مل جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی خوبی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے قربان جایئے کیسے چھوٹے لفظوں میں اتنے بڑے دشوار کلام کو آسان کرکے بتلا دیا اور کیوں نہ ہوں۔ (علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی) ''اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تعلیم دی پس بہترین میری تعلیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ادب سکھایا پس بہترین میری تادیب ہے) یہ خدا کی تعلیم ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان اللہ کا فرمان ہے اگرچہ ایک اللہ کے بندے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے ادا ہوا ہے''

---

(۱) جیسے ہی ڈرائیور نے چابی لگائی اور گاڑی چل پڑی (۲) ٹکرا جائے گی (۳) ریل کے ٹکرانے کا نتیجہ تو فی الحال نظر آجاتا ہے (۴) مشکل پیش آئے گی۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت ہمامی گویم

پسِ پردہ مجھے طوطی کی طرح بٹھادیا ہے مجھے جو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی کہہ رہا ہوں‘‘

حدیث کے معنی کی تحقیق

اس کے علاوہ ایک اور مشہور طریق حضورِ قلب کا وہ ہے کہ جو حدیث ان تعبداللہ کانك تراہ الخ سے لوگوں نے سمجھا ہے یعنی عبادت کرتے وقت یہ خیال کہ میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اور اگر یہ نہ ہو تو یہ سمجھے خدا مجھ کو دیکھ رہا ہے پس گویا دو طریق متقابل ہیں (۱) لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، اول تو لفظوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ سوال حقیقتِ احسان سے ہے نہ طریقِ تحصیل احسان سے۔ چنانچہ جو جواب دیا گیا ہے اس میں احسان کی حقیقت کی حقیقت، بناء ہے نہ کہ طریق (۲)۔ چنانچہ اس کے قبل بھی اسلام اور ایمان کی حقیقت ہی سے سوال وجواب کا ہونا اس کا اور بھی مؤید ہے دوسرے تجربہ بھی شاہد ہے کہ تصور رویتِ حق حضورِ قلب کے لئے عموماً اور خصوصاً مبتدی کے لئے بالکل ناکافی ہے کیونکہ طبیعت پریشان ہوتی ہے کہ خدا کو کیسا سمجھوں اور ایک صورت سمجھ میں آتی ہے پھر اس کا دفع کرنا ہے۔ اسی طرح پریشانی میں مبتلا رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو کبھی دیکھا نہیں اس کا تصور کیسے جم سکتا ہے البتہ منتہی کو خدا کے دیکھنے کا تصور بے کیف ذوقی طور پر میسر ہو جاتا ہے اور طریقہ عام ہونا چاہئے علاوہ بریں اگر مضاف محذوف مان کر (یعنی طریقہ ان الخ) طریق ہی قرار دیا جائے تو تقابل ٹھیک نہیں ہوتا کیونکہ (کانك تراہ) کے

---

(۱) دو طریقے ایک دوسرے کے مقابل ہیں (۲) اس میں احسان کی حقیقت بیان کی ہے نہ کہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ۔

بعد یہ کہا ہے کہ اگر تم اسے دیکھتے نہ ہو تو بے شک وہ تمہیں دیکھتا ہے سو یہ مضمون جملہ اولیٰ کے ساتھ جمع ہو رہا ہے یہ نہیں کہا کہ اگر ایسی عبادت نہ کرسکو کہ گویا اسے دیکھتے ہو۔ (تو یہ سمجھو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

بہرحال! یہ طریقہ الفاظِ حدیث اور تجربہ دونوں کے خلاف ہے پس اس حدیث میں حقیقتِ احسان کا بیان ہے طریق مذکور نہیں۔

اہتمام خشوع کا طریق

رہا یہ کہ حدیث کے معنی کیا ہیں تو اس کا سمجھنا ایک مقدمہ پر موقوف ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح سے انجام دے گا۔

چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھئے کہ استاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا۔ دل کھول کر ایک دوسرے سے بولتے ہیں کہیں پیر پھیلائے ہیں کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب دیکھ رہے ہیں فوراً مؤدب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی اور اگر کہیں اپنی نظر استاد پر پڑ گئی تب تو ادب کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا، خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن وخوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی اب بھی اسی حالت کے مطابق تمہاری عبادت

ہونا چاہئے) اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملہ سے یہ سوال ہوسکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسینِ عبادت کس طرح ممکن ہے اس کا جواب اس سے مفہوم ہوگیا کہ دیکھنے والے کی اس تحسین کے لئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض (فان لم تکن تراہ) میں فائے تعقیب نہ لی جائے بلکہ فائے علت قرار دی جائے۔

یہاں تک تو آپ کو خشوع کی حقیقت بھی معلوم ہوگئی اس کا ضروری ہونا بھی ثابت ہوگیا طریقہ سے بھی واقفیت حاصل ہوچکی اب خاتمہ کے طور پر ایک امر اور بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اس خشوع کے پیدا کرنے کا وقت کون سا ہے۔ آیا ہر وقت خشوع ہی کے اہتمام میں رہیں یا اس کا کوئی خاص وقت ہے۔

اقسام خشوع

تو اب سنئے کہ ایک خشوع تو مستحب ہے اور دوسرا واجب ہے مستحب تو یہ ہے کہ ہر وقت یہی حالت استحضار کی قلب پر غالب رہے لیکن یہ ہر شخص کے لئے نہیں ہے صرف اسی کو جائز ہے جس کی ایسی حالت ہو کہ نہ تو خود اس کی ضروریات میں مخل ہو نہ کسی دوسرے کی حق تلفی کا باعث ہو ورنہ تباہی کی نوبت آجائے گی۔ مستحب کے لئے واجبات ترک ہونے لگیں گے بجائے ثواب کے الٹا وبال ہوجائے گا۔

مثلاً کسی کی بی بی آٹے کے لئے پیسے دے کہ آٹا لے آؤ بچے بھوکے ہورہے ہیں اور وہ لگے رہیں خشوع حاصل کرنے میں جس کی وجہ سے بچے بھوکے رہیں تو ایسا خشوع موجب قرب نہیں ہوسکتا بلکہ خدا سے دوری کا باعث ہوگا۔

حکایت ہے کہ ایک ولایتی صاحب کسی مسجد میں ٹھہرے تھے۔ جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایک مسافر جو وہاں سو رہا تھا خراٹے لے رہا ہے۔ آپ نے اس کو ک

ئی دفعہ تو اٹھا اٹھا کر بٹھا دیا اور کہا کہ تم کس طرح سوتے ہو ہمارے خشوع میں خلل پڑتا ہے وہ بے چارہ تھکا ہوا تھا پھر سو گیا آپ کو جو غصہ آیا نکال چھرا اس کا کام تمام کر دیا۔ اچھا خشوع کیا کہ بے چارے کی جان ہی لے ڈالی۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے بی بی بچوں کو تباہ کر رکھا ہے اور غلطی میں مبتلا ہیں۔ دائمی حضورِ قلب اور خشوع کے پیچھے حق تلفیاں کرتے ہیں۔ یہ نہایت نازیبا امر ہے یہ تو ایسی بات ہوگئی کہ کسی نے نوکر سے کہا کہ ہم بھوکے ہیں کھانا لاؤ وہ بجائے کھانے کے دوڑ کر برف سے ٹھنڈا کر کے پانی لے آیا اور اسی پر اصرار کرتا ہے کہ نہیں جناب پانی ہی لیجئے بہت ٹھنڈا ہے کھانا نہ کھایئے۔ تو ایسے نوکر سے مالک خوش ہوگا یا ناراض؟

جیسے ایک صاحب کا نوکر تھا اس سے مانگا خلال وہ اٹھالایا بانس، مانگا لحاف وہ اٹھالایا گھوڑے کا چارجامہ اور اصرار کرتا ہے کہ اسی کو اوڑھ لو یہ گستاخی ہے یا نہیں۔ یہ ساری خرابیاں خودرائی کی ہیں رائے بھی بڑی بری شے ہے۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست کفرست دریں مذہب خود بینی و خودرائی

"اپنی رائے اور فکر کو راہِ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس طریق میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے"

مناسب تو یہ ہے کہ ایسا ہو جائے۔

چوں قلم در پنجۂ تقلیب رب(۱)

یہاں تو جو حکم ہے وہی کرو یہی کمال ہے مثلاً اگر کسی کو پاخانہ زور سے لگا

(۱) اس کا دل اللہ کے قبضہ میں اس طرح ہے جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔

ہے اور وہ نماز پڑھنا چاہے تو برا ہے چاہئے کہ پہلے فارغ ہوجائے پھر نماز پڑھے اگر کوئی اصرار کرے اور کہنے لگے کہ صاحب نماز پڑھنا تو عبادت ہے اور پیشاب پاخانہ تو نجاست کا کام ہے میں تو نماز ہی پڑھوں گا تو بے جا کرتا ہے اس طرح نماز کا بھی ستیاناس کرے گا۔

خشوع کے درجات

خلاصہ یہ کہ اس مرتبہ کے خشوع کا اہتمام اس کے لئے ہے جس سے اس کے باعث نہ تو کسی کا حق تلف ہو نہ دین کا ضرر ہو(۱) اور نہ کسی کو دنیا کا ضرر پہنچے۔ دین کے ضرر کی صورت یہ ہے کہ کوئی طالب علم ہے رات کو تو بیٹھے خشوع پیدا کرتے رہے مطالعہ دیکھا نہیں صبح کو جب سبق پڑھنے بیٹھے تو کچھ سمجھ میں آتا نہیں آخر بے دلی سے پڑھ پڑھ کر کتابیں تمام کیں نہ کچھ آیا نہ گیا علمِ دین ایسی ضروری چیز سے محروم رہے بلکہ علمِ ناقص سے لوگوں کا مقتداء بن کر تباہ کرنا شروع کیا۔

دنیا کا ضرر یہ کہ بال بچے جن کا نفقہ اس کے ذمہ ہے اس میں کوتاہی ہونے لگی اس طرح ترکِ اسباب ظاہری اگرچہ مستحب ہے لیکن اسی کے لئے جس کی وجہ سے اہل وعیال کے حقوق کے ادا کرنے میں کمی نہ ہونے پاوے ورنہ نہیں لیکن ہاں جسے کسی کی فکر نہ ہو اور وہ بھی اس مرتبہ کی تحصیل سے غافل رہے تو بڑا ظلم ہے ایسے ہی شخص کے بارے میں ہے۔

ہر آنکہ غافل از حق یک زماں ست درآں دم کافر ست امانہان ست

''جو شخص اس سے ایک گھڑی غافل ہے اس گھڑی میں کافر ہے لیکن نہاں ہے''

(ا) نہ کسی کی حق تلفی ہو نہ کسی کا نقصان دینی یا دنیوی ہو۔

حضوری گر ہمی خواہی از وغائب مشو حافظ متی ما تلق من تہوی دع الدنیا وہملہا

''اگر محبوبِ حقیقی کے دربار کی حضوری اور قرب چاہتے ہو تو اس سے غافل مت ہو کہ اس کی طرف متوجہ رہو اور جب اپنے محبوب سے ملاقات کرو یعنی اس کی عبادت میں مشغول ہو تو دنیا اور مافیہا کی طرف التفات مت کرو''

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وخم طرہ یارے گیرند

''میرے نزدیک مصلحت یہ ہے کہ یار لوگ تمام کاموں کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کے تصور میں لگ جائیں''

جملہ اوراق وکتب درنار کن سینہ را از نور حق گلزار کن

''جملہ اوراق و کتابیں آگ میں جلا دو اور سینہ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن کرو''

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرودسمن در آ
تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ دردل کشابہ چمن در آ

''تیرے اندر خود چمن ہے اس کو پھاڑ کر تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو''۔

آسماں ہاست در ولایت جان کار فرمائے آسمان جہاں
در رہ روح پست و بالا ہاست کوہ ہائے بلند و صحرا ہاست

''ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو آسمان دنیا میں کارفرما ہیں

روح کی راہ میں نشیب وفراز اور بلند پہاڑ وصحرا ہیں‘‘

اے برادر عقل خود رابا خود آر دمبدم در تو خزاں ست و بہار
بردل سالک ہزاراں غم بود گرز باغ دل خلالے کم بود

’’ارے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل درست کر کے دیکھ تیرے اندر دم بدم بہار اور خزاں موجود ہیں‘‘

فارغین کے لئے درجہ خشوع

بہتیرے لوگ ہیں کہ ان کو خدا نے اطمینان دیا ہے جائیداد کی آمدنی چلی آرہی ہے گھر سے باہر قدم نکالنا نہیں پڑتا پھر بھی دن رات فضول مضمون میں مبتلا رہتے ہیں کہیں یہ ذکر ہو رہا ہے کہ جاپان اور روس میں لڑائی ہو رہی ہے کہیں جاپان کو ڈگری دلا رہے ہیں کہیں روس کو، فکر پڑی ہے کہ کیا ہونا چاہئے گویا ان کے سامنے روس و جاپان کا مقدمہ پیش ہوگا اور فیصلہ کی ان سے درخواست کی جائے گی، دن رات ایسی ہی لا یعنی باتوں میں مصروف ہیں یہ اطمینان رکھیں کہ ان کے پاس یہ مقدمہ نہیں پیش ہوگا۔ ہاں اپنے اندر کے روس و جاپان کی فکر کریں ان سے بے شک اس کی باز پرس ہوگی کہ تم نے قوتوں کو جا سے صرف کیا ہے یا بے جا۔ ایسے شخص کو تو چاہئے تھا کہ حبِ الٰہی میں غرق ہو کر ان مقربین میں سے ہو جاتا جن کے ساتھ خصوصیت کے معاملات ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے انہوں نے پاؤں پھیلا دیئے تھے ان پر عتاب ہوا مقربوں کے احکام ہی دوسرے ہو جاتے ہیں جو باتیں عام لوگوں کو جائز ہوتی ہیں ان کے لئے بے ادبی میں داخل ہے۔

مقرباں را بیش بود حیرانی

’’مقربین کے لئے حیرانی بہت ہوتی ہے‘‘

اور گو اس میں مشقت شدید ہے لیکن قرب کے ساتھ اگر مشقت بھی اٹھانا پڑے گی تو کیا۔

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ جنت ست آن گرچہ باشد قعر چاہ

''جس جگہ محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ گہرا کنواں کیوں نہ ہو''

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے کہ یارے برخورد از وصل یارے

''وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محبّ اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو''

مشغولین کے لئے درجہ خشوع

حاصل یہ کہ ایک تو وہ تھا جو فارغ محض تھا اور ایک وہ ہے جس کے متعلق اور بھی خدمتیں ہیں۔ اہل وعیال کا نان ونفقہ واجب ہے درس وتدریس میں مشغول ہے وعظ ونصیحت سے لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے۔ اس کی طرف لوگوں کو حاجت ہے ایسے شخص کو ایسا اہتمامِ خشوع کہ ہر وقت اس میں رہے، ناجائز ہے۔ اس کے ذمہ خشوع واجب کا حاصل کرنا اس پر واجب ہے کہ عبادت کے وقت خشوع خاص پیدا کرے کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا جب تک کسی عبادت میں مشغول ہے۔ دنیا کا کوئی کام تو کر ہی نہیں سکتا۔ پھر فائدہ کیا ہوا کہ اس نے اپنا وقت مفت پریشان کیا اس لئے یہ مرتبہ ہر شخص پر واجب ہے۔ اس سے کوئی نقصان نہیں ہوسکتا خدا کا کیا ہی انتظام ہے کہ نہ ہر شخص کو صوفی مستغرق بنادیا اور نہ غفلت کی اجازت عنایت ہوئی۔

سارے وعظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ پہلے تو مقدمہ بیان ہوا جس میں عوام و

خواص سب ہی کی شکایت تھی کہ خشوع کیوں حاصل نہیں کرتے اس کے بعد مقصود کا بیان ہوا وہ تین چیزوں پر مشتمل ہے ۔ اول حقیقتِ خشوع ... دوسرے فضیلت خشوع... تیسرے طریقِ خشوع۔

اس کے بعد خاتمہ مذکور ہوا جس میں درجاتِ خشوع کا ذکر ہوا۔ اب خدا سے دعا کرنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ توفیق عنایت کریں خشوع سے بہرہ ور اور کامیاب بنائیں۔ آمین ثم آمین۔

خلیل احمد تھانوی

فہرست کتب

احکام القرآن حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے لکھی گئی ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے۔ دوسری منزل مصنفہ مولانا مفتی سید عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ ترمذی، تیسری، چوتھی منزل مصنفہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب	مکمل قیمت
احکام القرآن دوسری منزل: (ایک عظیم تفسیر جس میں فقہ حنفی کے مسائل کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے) قیمت جلد اول =/510 ' قیمت جلد ثانی =/468 ' قیمت جلد ثالث =/474 روپے (ایک جلد غیر مطبوع) قیمت تین جلد	1452/=
احکام القرآن تیسری منزل: قیمت جلد اول =/414 ' قیمت جلد ثانی =/414 قیمت جلد ثالث =/324 قیمت تین جلد	1152/=
احکام القرآن چوتھی منزل: قیمت جلد اول =/540 ' قیمت جلد ثانی =/540 (دو جلدیں غیر مطبوع) قیمت دو جلد قیمت جلد ثالث: =/576 (ایک جلد غیر مطبوع) قیمت تین جلد	1656/=
مقالات القرآن: (مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم مقالات کا مجموعہ)	144/=
مقالات سیرت: (مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے چار عظیم مقالات کا مجموعہ)	108/=
عکس جمیل: (سوانح حیات مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)	648/=

اسلام اور حدود تعزیرات (اسلامی سزاؤں کے بارے میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ۸ مقالات کا مجموعہ)	=/230
جمالیات جمیل: (مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اردو، عربی، فارسی مجموعۂ کلام)	=/522
مختصر قواعد میراث: (میراث کی تقسیم کے قواعد و قوانین کے بارے میں مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ)	=/32
نماز کے اہم مسائل: (نماز کے ضروری مسائل پر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے منتخب مجموعہ)	=/138
خلافت راشدہ: (خلافت راشدہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر اور محدثانہ تحریر)	=/86
دلائل وجوب قربانی: (کتاب و سنت و اجماع صحابہ اور عقلی دلائل سے قربانی کے وجوب پر ایک محققانہ تصنیف)	=/84
مرآت الآیات والحدیث: (قرآنی آیات کی ترتیب پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کی مکمل فہرست)	=/86
جلاء القلوب: (معترضین اسلام کے دندان شکن جوابات پر مشتمل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور وعظ)	=/22
مواعظ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ 18 جلدیں (قیمت فی جلد =/200 روپے)	=/3600
مدراس البلاغۃ مختصر معانی پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے ایک نادر تحفہ۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	230